eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813

CC BY
OPEN ACCESS

بیدل کے ہاں مستند وجود کی تشکیل کا اجمالی خاکہ

AUTHENTICITY OF BEING PORTRAYED BY BEDIL: A BRIEF DESCRIPTION

محمد آصف رضا، اسسٹنٹ پروفیسر (فلاسفی)، گورنمنٹ گریجوایٹ تعلیم الاسلام کالج، چناب نگر، چنیوٹ۔

Muhammad Asif Raza, Assistant Professor (Philosophy), Government Graduate Taleem-ul-Islam College, Chenab Nagar, Chiniot.

حافظ احمد یار، اسسٹنٹ پروفیسر (فارسی)، گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج، جامعہ محمدی شریف، چنیوٹ۔

Hafiz Ahmed Yar, Assistant Professor (Persian) Government Associate College, Jame'a Muhammadi Sharif, Chiniot.

سمیع اللہ، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ فارسی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد۔

Sami Ullah, Assistant Professor, Department of Persian, Government College University, Faisalabad.

ABSTRACT

This paper presents the 'Authenticity of Being' portrayed by Bedil by describing the existential human condition in relation to the superficial realities of this world. Human person, in everyday life, constructs a pseudo self-based on fulfilling the physical and social conditions of routine life and forgets the real self altogether. So the formation of authentic self is considered the primary human responsibility both in oriental gnostic and occidental philosophical tradition.

Bedil pursuits human persons to follow cardinal values based on human devotion and selflessness to transcend from inauthenticity. He considers Passionate Love (Ishq aur Junoon) an enlightened approach for the intuitive experience of Real Self to achieve the ontological meanings and presence of human life.

KEYWORDS: Bedil, Color, Mirror, Stone, Period, Confusion, Self, Illusion, Rose, Candle, Being, Entity, Non-Existence, Wisdom, Come out of it, Discrete.

کلیدی الفاظ: بیدل، رنگ
'شیشہ' سنگ' غبار' عرصہ' نفس' وہم' گل' شمع' ہستی' عدم' چشم' عجز' جنون' برون آ، مجرد۔

"بیدل انسان کی انفسی اور آفاقی صورت حال کو بیان کرتے ہیں کہ انسان اپنی روز مرہ زندگی میں جسمانی تقاضوں اور سماجی تعینات (ذات' رنگ' نسل' زبان' فرقہ' پیشہ اور قومیت) کی مسلسل تکمیل کو ہی اپنے وجود کا حقیقی مقصد سمجھتا ہے مگر اپنے حقیقی وجود سے یکسر غافل رہتا ہے۔ اسی لیے مشرقی عارفانہ روایت ہو یا اور مغربی فلسفیانہ فکر مستند وجود کی تشکیل کو ہی انسان کی بنیادی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔

بیدل انسان کو بندگی کی نمائندہ اعلیٰ انسانی اقدار پر عمل کر کے غیر معتبر وجود سے بلند اور ماوراء ہونے کی تلقین کرتے ہیں اور جنون (عشق) کو مستند وجود کے وجدانی اور کشفی ادراک کا روشن منہاج قرار دیتے ہیں تاکہ انسان اپنے مستند وجود کا عرفان حاصل کر سکے۔"

میرزا عبدالقادر بیدل(1642-1720) نے اپنے ضخیم دیوان(۱) کی ابتدائی غزلوں میں ہی مستند وجود کی تشکیل کا ایک اجمالی نقشہ بیان کیا ہے۔ دیوان بیدل کی غزل نمبر ۲ تا ۶ میں غیر مستند وجود سے مستند وجود کی جانب جمالیاتی تشکیل کا تخلیقی عمل قاری کی آنکھوں کے سامنے سے گزرتا ہے اور شاعر انسان کو عالم خود فراموشی سے آگاہ کرتے ہیں اور ایک فرحت بخش شاعرانہ استدلال سے وجود کی حقیقت کی دریافت کے لیے مسلسل تلقین کرتے نظر آتے ہیں۔ "برون آ" ردیف کی یہ غزلیں انسان کو روزمرہ زندگی کی ان گنت اور کبھی نہ ختم ہونے والی جسمانی اور سماجی ضرورتوں کے دائرہ تکرار سے نشوونما پاتے غیر مستند وجود سے بلند اور ماوراء ہونے کی بااختیار کوشش کرنے کی شاعرانہ تلقین ہے جو معنی آفرینی اور جمالیاتی کشش سے بھرپور ہے۔ یہ غزلیں انسانی خودی کے وجودی تسلسل کا استعارہ ہیں جو انسان کی نفسیاتی سطح سے اجتماعی سطح تک ماہیت قلب کا مکمل خاکہ بیان کرتی ہیں۔

مستند وجود(authenticity of being) ایک فلسفیانہ تصور ہے" جو انسان کی حقیقی' اولین' سچی اور بنیادی ترین وجودی حالت کی جانب اشارہ کرتا ہے جو انسانی آزادی و خودمختاری پر قائم معنی آفریں اور قدر آفریں زندگی ہے" (۲) کہ جس کا حاصل دائمی شادمانی ہے۔ یہ تصور اس لیے ابھرا کہ "انسان اپنی روزمرہ زندگی میں ایک غیر مستند اور غیر معتبر وجود ہے جو نہ صرف اپنے حقیقی وجود کے احساس اور ادراک سے محروم رہتا ہے بلکہ خدا اور لوگوں کے ساتھ بھی ایک سچا تعلق قائم نہیں کر پاتا" (۳)۔ مستند وجود پر قائم زندگی جن اقدار(۴) سے نمو پاتی ہیں میرزا بیدل نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ انہیں "برون

آ" ردیف کی غزلوں میں پیش کیا ہے تاکہ زندگی کو معنی اور مقصد عطا کرنے کے ساتھ ایک حقیقی نوعیت کی وجودی فرحت اور شعوری مسرت عطا ہو سکے جس سے روزمرہ زندگی کا غیر معتبر وجود محروم رہتا ہے۔

مستند وجود کی خصوصیات:

مستند وجود "شعور کی مکمل وحدت رکھنے والا حقیقی وجود ہے جو شئے نہیں ہے بلکہ عمل ہے۔ مستند وجود میکانکی جبر سے آزاد' امر آفرین اور ایک واضح نصب العین رکھنے والا وجود ہے جو حرکتِ بالنفس کی صلاحیت رکھتا ہے"**(۵)**۔ مستند وجود انسان کے انسان ہونے کی وجہِ امتیاز ہے اور اس کی دریافت کا علم ہی حقیقی علم ہے۔ غیر مستند وجود کا مستند وجود بننے کا عمل تین زمانی درجات پر مشتمل ہے: **اول** غیر معتبر وجود یا انفرادی خودی؛ **دوئم** اجتماعی خودی بننے کا عمل؛ اور **سوئم** مستند وجود یا حقیقی خودی"**(۶)**۔ یعنی وجود یا خودی اپنے ماضی میں تاریخی اور ذہنی ہے' اپنے حال میں نفسیاتی ہے اور اپنے مستقبل میں عقلی اور عرفانی ہے۔ اس کا مطلب یہ کہ "میرا وجود جو گزر چکا ہے وہ میری تاریخ ہے، میرا وجود جو گزر رہا ہے وہ میرا نامکمل تجربہ ہے اور میرے وجود کو جو ہونا ہے وہ مستند وجود کے بارے میں میرا آئیڈیا ہے جس کو واقعی اور حقیقی(actualize) بنانے کی میں نے ذمہ داری لے رکھی ہے"**(۷)**۔

مستند وجود کی تشکیل کا عمل خودی کے مستقبل پر توجہ مرکوز کیے بغیر ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ "انسان کو اصل میں یہ جاننا ضروری ہے کہ اسے کیا بننا ہے۔ مستند وجود شعور میں موجود کوئی تصور نہیں بلکہ انسانی شعور کے ہونے کے تسلسل کی بنیاد اور عمل ہے کہ جس کا مقصد معنویت سے بھرپور زندگی کا حصول ہے"**(۸)** جو وجدان یا کشف**(۹)** پر منحصر ہے۔

انسان کے اندازِ فکر و عمل' اقدار' رویے حتیٰ کہ مجموعی شخصیت پر والدین، بہن بھائی، رشتے دار، دوست، اساتذہ اور علماء کا بالواسطہ یا بلاواسطہ اثر رہتا ہے اور انسان وہ بننے کی کوشش کرتا ہے جو دوسرے چاہتے ہیں اور بتاتے ہیں۔ اسی طرح مخصوص خواہشات اور ہیجانات کے زیرِ اثر انسان کی نیت و محرکات اور جسمانی افعال و اعمال میں ایک جدلیاتی کشمکش رہتی ہے جو شخصیت کی جبری نوعیت کی سماجی تشکیل کرتی ہے۔

انسانی شخصیت اور کردار کے ان داخلی و خارجی تضادات سے بلند ہونا خاص نوعیت کی اخلاقی ذمہ داریوں کا متقاضی ہے جن پر عمل کرنا غیر معتبر وجود کے لیے نسبتاً مشکل امر ہے، ان معنوں میں انسان کا مستند وجود ایک مثالی تصور بھی ہے جسے حاصل کرنا ایک خواب کو حقیقت بنانے کی طرح ہے۔

مستند وجود کے خواب کو تعبیر دینے کے لیے جس علمِ وجود کی ضرورت ہے وہ سب سے پہلے انسانی شخصیت کی تعریف و تشکیل کرنے والے ہر طرح کے سماجی القابات اور تعینات کو رد کرتا ہے کہ انسان اپنے اعلیٰ شعور میں ہر طرح کے دنیاوی تعینات سے بلند وجود ہے جو ان سماجی تعینات سے گزر کر ہی خالص اور مستند وجود کا اثبات کرتا ہے جس کا براہِ راست تعلق عالمِ وحدت سے ہے جو قائم بے مثل ہے' زمان و مکاں سے پاک دائمی ہے' تخلیق و فنا اور کثرت کی حدود سے آزاد ہے۔

مستند وجود- صوفیانہ تناظر:

مشرقی روایت بالعموم اور صوفیانہ روایت بالخصوص ایک معتبر طرزِ زندگی کی تعلیمات دیتی ہیں۔ صوفیانہ طرزِ حیات انسانی آزادی اور مستند وجود کی تشکیل سے خاص نسبت اور مستحکم لگاؤ رکھتا ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ صوفیانہ نقطہ نظر دنیا کو مستند وجود کی نظر سے دیکھنا ہے تو یہ بے جا نہ ہو گا۔ مثالی خودی کو مرکز بنا کر سماجی زندگی اور مادی دنیا کی عارضی ترجیحات سے بلند تر شعور کی ماورائی صلاحیتوں کو فعال کرنا مستند وجود کی جانب پہلا قدم ہے۔ یہاں "شعور بااعتبار اصل محض "سمجھنا یا جاننا" نہیں ہے بلکہ ایک "حال" ہے۔ حقیقت کے ساتھ خلقی مناسبت کی بنا پر بننے والا ایک "ذوق" ہے جو صورتوں کی وجودی سطح کو بلند کرتا رہتا ہے اور صورتوں کی جبری حدود کو توڑ کر ان کے ادراک کی تاثیر اور کیفیت کو ان احوال میں ضم کرتا رہتا ہے جو حقائق کے حضور سے مخصوص ہے۔ شعور کا یہی جوہر جو احوالِ حضور کا خوگر ہے شعور کا اصل اور مستقل مادہ ہے"(۱۰) جو حرکت میں آکر شعور کی ماورائی صلاحیتوں یعنی حق (حقیقتِ مطلق) کے حضور کی خلقی استعداد اور مستند وجود (خودی) بننے کی صلاحیت کو فعال کر دیتا ہے۔

مستند وجود کی تشکیل مشرقی عارفانہ روایت میں "نفسیاتی معنوں سے زیادہ حقیقی معنوں میں معروف ہے" (۱۱) یعنی انسانی ہستی ایک مستند حالت وجود رکھتی ہے کہ مشرقی عارفانہ روایت جس کے عرفان کا ایک ضابطہ حیات پیش کرتی ہے کہ جسے پا لینے پر ایک دائمی سرشاری، فلاح اور بقا نصیب ہوتی ہے۔ مستند وجود اپنی مکمل ترین اور افضل ترین حالت میں "انسانِ کامل" (۱۲) ہے۔ انسانِ کامل ذات ربانی کی نمائندہ شخصیت ہے جو نہ صرف عارفانہ تجربات سے انسانی وجود کی ماورائی جہت کا اثبات کرتی ہے بلکہ اپنے ماننے والوں کو اس رستے کی روحانی تعلیمات بھی دیتی ہے اور اخلاقی اثرات سے بھی آگاہ کرتی ہے۔

مشرقی تہذیب کی صوفیانہ روایت میں انسانی وجود (خودی) کی ماہیت پر نامور صوفیہ، فیلسوف اور شعرا کرام نے ہر دور میں اپنے پُرمغز نقطہ ہائے نظر سے نہ صرف یہ کہ اہل حکمت و دانش کو متاثر کیا ہے بلکہ عوام بھی اُن کے خیالات خاص سے مستفید ہوتے رہے ہیں۔ یوں تو صوفیانہ روایت بے شمار ہستیوں کے تصور خودی سے متصور اور منور ہے لیکن ان نامور شخصیات میں ابن عربی، مولانا روم، میرزا بیدل اور علامہ اقبالؒ نے انسانی وجود کو اپنے عارفانہ خیالات اور شاعری میں خاص مقام دیا ہے۔

ابن عربی اپنی میٹا فزکس میں "انسانی وجود کے قلبِ ماہیت کو اس کے مستند ہونے کی سب سے بڑی نشانی قرار دیتے ہیں کیونکہ قلب کی یہ جوہری خاصیت ہے کہ وہ روحانی اور ربانی مقام کا حامل ہے یعنی انسانی وجود قلب ہی کے ذریعے خدا کا روحانی تجربہ حاصل کر سکتا ہے" (۱۳) ابن عربی کے مطابق "انسانی وجود کے انفسی اور آفاقی پہلو خدا کے وجودِ حقیقی کے تنزیہی اور تشبیہی جہتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور شعوری زندگی اور آگہی اس کی خاص خوبیاں ہیں" (۱۴)۔

مولانا روم فرماتے ہیں کہ "انسان ہونے کا جوہر حق کی آگہی میں ہے جو اسی صورت ادراک میں آ سکتا ہے اگر انسان اپنی اصل فطرت کو دریافت کر لے۔ انسان محض گوشت پوست کا بنا ہوا شکل و صورت رکھنے والا ظاہری وجود نہیں بلکہ اپنی حقیقت میں انسان اس کائنات کی تخلیقی علت ہے، کائنات کی ہر صفت کا مظہر ہے، حتیٰ کہ خلاصہ کائنات ہے" (۱۵)۔ انسان کی ظاہری وضع پر غور کریں تو وہ کائناتی شجر کی ایک معمولی شاخ ہے جو حسی تجربہ سے ادراک میں آتی ہے۔ لیکن اگر انسانی وجود کا گہرائی سے مطالعہ کریں تو "انسان وہ بنیادی اصول ہے جس پر ہستی کائنات قائم ہے، یہ وہ مرکزی نقطہ ہے جو لامحدود (ہستی) اور محدود (ہستیوں) کے درمیان ایک وجودی تعلق قائم کرتا ہے کہ جس کی فطرت کا انحصار حقیقت کی بصیرت پر ہے جو علم کشف (intuition) سے حاصل ہوتی ہے اور جو کوئی یہ صوفیانہ علم حاصل کر لیتے ہیں وہی رومی کے نزدیک اصل اور کھرے انسان ہیں" (۱۶)۔ مولانا روم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ "انسان اصل جوہر ہے اور کامل وجود رکھنے والے انسان ہر شے میں ربانی حضور کا وجدانی ادراک کرتے ہیں کیونکہ انسانی شعور اصل میں ربانی خود شعوری کا ظہور ہے۔ اس لیے انسان کا خود شعوری کے بارے میں جتنا وجدانی کشف زیادہ ہو گا اتنا ہی اس کا خدائی شعور زیادہ ہو گا" (۱۷)۔

علامہ اقبال کی فکر کا مہابیانیہ (metanarrative) تصورِ خودی ہے جسے آپ نے انسانی شعور و وجود کی مشترکہ اساس بنایا۔ آپ کے نظریہ خودی کا مقصد اس سوال کا جواب دینا ہے کہ انسان کیا ہے ؟ اقبال اپنے نظریہ کی فلسفیانہ تشکیل یوں کرتے ہیں کہ انسان کا حقیقی وجود (Real Self) انسان کی روز مرہ کی شعوری زندگی (Everyday Self) کے احساسات و جذبات و خیالات میں تجربہ میں نہیں آتا بلکہ "یہ انسانی وجود کے مرکز میں موجود روشن نقطہ ہے جس تک رسائی وجدانی ادراک سے ممکن ہے" (۱۸) جیسے ہی "کوئی صاحبِ کشف اس مرکزِ وجود تک وجدانی رسائی حاصل کر لیتا ہے تو وہ یہ دعوی کرنے کا حق حاصل کر لیتا ہے کہ میں نے اپنی پوری حقیقت کے ساتھ خود کو پالیا" (۱۹)۔

دوسرے لفظوں میں حقیقی خودی کا کشفی ادراک انسانی وجود کو مستند بنانے کے مترادف ہے۔ اقبال کے تصورِ خودی کا نفسیاتی پہلو یہ ہے کہ "انسان اپنی زندگی میں جتنے بھی حسی تجربات سے گزرتا ہے ان سب کے پیچھے ادراک کرنے والا ایک مُدرک (میں /self) موجود ہوتا ہے یعنی انسان کے سارے احساسات / خیالات اور تصورات کا سرچشمہ خودی ہے "(۲۰) ۔اقبال فرماتے ہیں کہ "انسانی خودی کی بنیادی علت مطلق یا ربانی خودی ہے جس پر ایمان لائے بغیر انسانی خودی اپنا حقیقی ہونا (Authentic Self) نہیں منوا سکتی۔یعنی وجود کے مستند ہونے کا سارا انحصار اس کے خدا کے ساتھ تعلق کے فعال ہونے پر ہے۔انسانی وجود میں خدا کی طرح تخلیق کے لامحدود امکانات موجود ہیں جنہیں استعمال لاکر انسان اپنے وجود کو مستند بنا سکتا ہے" (۲۱)۔

مستند وجود- فلسفیانہ تناظر:

فلسفے کی تاریخ میں مستند وجود کا تصور مختلف انداز میں ہمیشہ سے زیر بحث رہا ہے۔ "authentic'' لفظ یونانی زبان کے لفظ "athentes" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں" وہ (شخص) جس کا عمل اسکے ہی اختیار اور آزادی کا مجاز ہے" (۲۲)۔تو مستند ہونا"فرد کی شخصی آزادی یا اُس کا خود مختار ہونا ہے یعنی ایسا شخص جو بہت سے امکانات میں سے ایک امکان کو آزادی سے منتخب کرنے کے بعد باقی سب امکانات کو پسِ پشت ڈال کر ہر طرح کے سماجی دباؤ کے سامنے ڈٹ جاتا ہے اور اپنی شخصی آزادی اور اس سے نمو پانے والی دیگر وجودی اقدار پر سمجھوتا نہیں کرتا" (۲۳)۔ مستند ہونا خود آفرینی کا ایک مسلسل عمل ہے جو آزادانہ انداز میں جینے والے ہر شخص کا طرہ امتیاز ہے۔

ہر بڑا مفکر اسی تہذیبی پیکر کے ساتھ جیا ہے اور فلسفے کے تاریخ میں زندہ رہا ہے اور انہی اعلیٰ ہستیوں میں سے ایک یونانی تہذیب کے عظیم فلسفی سقراط ہیں جن کا ایک مشہور قول ہے کہ " زندگی جو کسی آزمائش سے نہیں گزرے قابلِ قدر زندگی نہیں " (۲۴) اور زندگی کو بامعنی اور بامقصد بنانے کے لیے سقراط کا فلسفہ حیات "خود کو جانو!" کے سبق سے شروع ہوتا ہے جو انسان کے تمام وجودی تجربات کا علمی و شعوری مرکز ہے۔ سقراط نے اسی سبق سے لوگوں کو مستند وجود کی دریافت کی راہ دکھائی ہے۔

سقراط کے بعد جدید مغربی فلسفے میں سورن کیرکیگارڈ (1813-1855)، فریڈرک نطشے (1844-1900) اور مارٹن ہائیڈگر (1889-1976) نے انسان کے مستند وجود پر بحث کی ہے اور اسے فلسفے کے مرکزی بیانیے میں شامل کیا ہے۔ ان تمام وجودی فلسفیوں نے مستند وجود کی بحث میں انسان کے اپنے بے مثال وجود (خودی) کی شناخت اور اسکی بازیافت پر خصوصی توجہ دی اور برملا کہا کہ ہر انسان ایک بے مثل اور یکتا وجود کے ساتھ نہ صرف موجود ہے بلکہ اُسے پا لینے کے لیے آزاد ہے۔

سورن کیرکیگارڈ کے مطابق "معروضی حقائق نہیں بلکہ موضوعیت اصل حقیقت ہے یعنی انسانی وجود سے باہر خارجی دنیا کی سچائیاں بنیادی حقیقت کا قطعی ادراک نہیں کر سکتی بلکہ انسانی وجود کا داخلی وجدان حتمی صداقت کا انکشاف کرتا ہے۔ گویا مستند وجود یا حقیقی خودی کی آگاہی انسانی زندگی کا اصل مقصد ہے "(۲۵)۔ روزمرہ زندگی میں لوگ اپنی چھوٹی چھوٹی خواہشوں کی تسکین سے حاصل ہونے والی خوشی کے لیے جیتے رہتے ہیں اور یوں کسی نصب العین کے بغیر ہی زندگی خاموشی سے دبے پاؤں گزرتی رہتی ہے۔ کیرکیگارڈ انسان کو اس خاموشی سے بیدار کرتے ہیں اور " سچے وجود کی تشکیل کو خدا کے ساتھ وجودی تعلق سے مشروط کرتے ہیں یعنی مستند وجود یا خودی کو صرف خدا کے ساتھ تعلق سے ہی حقیقی طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے "(۲۶) ۔

فریڈرک نطشے کا نقطہ نظر یہ ہے کہ "مستند وجود کے حصول کے لیے انسان کو رائج عقائد اور نظریات کے جبر کے خلاف لڑتے ہوئے معیاری اقدار (صحیح / غلط، اچھا / برا، خیر / شر، نیک و بد، خوبصورت / بدصورت) کو شخصی آزادی سے اختیار کرنا چاہئے اور مستند وجود کی دریافت میں باطنی آواز کے رستے پر چلنا چاہیے۔ انسان کو وہ بننا چاہیے جو وہ ہے "(۲۷) ۔ یعنی کسی دوسرے کے بتائے رستے پر چلنے کی بجائے اپنے اندر کی آواز کو اپنا رہنما بنانا چاہیے۔ اس رستے میں دنیاوی خواہشات رکاوٹ بنے گی لیکن انسان کو اپنی داخلی صدا پر

لبیک کہنا چاہیے۔ دوسروں کے رستے پر چلنا گویا اپنے داخلی وجود کی بازیافت سے انحراف ہے۔ نطشے کہتے ہیں ہم سب ایک دوسرے سے الگ ہیں، مختلف اور یکتا ہیں، سو ہمیں دوسروں کے بارے میں کوئی حتمی رائے (اچھی یا بری) قائم کرنے سے آزاد رہنا چاہیے بلکہ ہمیں اپنے داخلی وجود کی فرمانبرداری کرتے رہنا چاہیے اور اپنے دل کی آواز کو سننا چاہیے۔ یعنی "ہماری قوت ارادی اس بلند سطح پر ہو کہ ہم ضبطِ نفس یعنی ترغیب 'لالچ' مجبوری' وہم وہیجان سے خود کو محفوظ رکھ سکیں۔ دوسری صورت میں ہمیں دوسرے کے حکم کے تحت ایک غلامانہ اخلاقیات کے تابع رہنا پڑے گا۔ عزت نفس اور خودداری انسان کی اولین ترجیح ہونی چاہیے تاکہ خودی کی نشوونما ہو سکے" **(۲۸)**۔

ہائیڈیگر نے اپنے فلسفہ ہستی میں مستند انسانی وجود پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ہائیڈیگر مستند وجود کے احساس و ادراک میں عقلی وشعوری طریقہ کار اپناتے ہیں اور "مستند وجود کی تشکیل میں درکار وجودی تجربہ کو تین مراحل میں بیان کرتے ہیں: (الف) وجود کے بارے میں بالعموم اور مستند وجود کے بارے میں بالخصوص لازمی نوعیت کی سوچ وبچار؛ (ب) وجود کی فکری قربت اور (ج) وجود کی دید کا شعوری تجربہ" **(۲۹)**۔ یہ وجودی تجربہ "صعودی نوعیت کا ہے یعنی انسان اپنے وجود کی نسبتاً کم تر سطح سے بلند اور ماوراء ہو جاتا ہے اور اپنے خالص وجود کو پالیتا ہے۔ یہ تجربہ ذاتی ہے کلی وعقلی نوعیت کا ہے اور اتحادیہ کشف رکھتا ہے" **(۳۰)** ۔ دنیا مرکز زندگی اور اس کی مادی اقدار وجود کو غیر مستند رکھتی ہے اس لیے ہائیڈیگر وجود مرکز زندگی اور اس کی دائمی اقدار پر پر زور دیتے ہیں۔ ہائیڈیگر کا فلسفہ وجود "انسانی زندگی کو سطحیت' تذبذب اور بے مقصدی سے آزاد کرتا ہے اور اوسط درجے سے بلند ہو کر جینے کی ترغیب دیتا ہے۔ ہائیڈیگر انسان سے حقیقت کی باطنی جہتوں کے ادراک کا تقاضا کرتے ہیں یعنی انسان کو اپنی اس وجودی صورت حال کا احساس ہونا چاہیے جو تہذیب و تاریخ کے ہر دور سے بلند اور ماوراء ہے" **(۳۱)**۔

میرزا بیدل اور مستند وجود:

دیوان بیدل کی ابتدائی غزلیں ایک صوفیانہ مضمون کی طرف اشارہ کرتیں ہیں۔ ان غزلیات کی شاعرانہ تشکیل تخیل سے، صوفیانہ وجدان سے ہوئی ہے۔ "بـر و ن آ " سے مراد 'خود سے باہر آنا' یعنی "وجودی اور شعوری سطح پر زمان و مکاں کی موجودہ بنیادی ساخت سے خود کو بلند یا ماوراء کرنا ہے" **(۳۲)** خود سے 'باہر نکل آنا' "وجود کی کونیاتی اور کائناتی ساخت کا ذہنی' عملی اور احوالی انکار ہے" **(۳۳)**۔ "بـر و ن آ " اپنے تعبیری

مفہوم میں ایک مثبت اصطلاح ہے جو ترک نفس یا نفس کشی کی جانب راغب نہیں کرتی بلکہ انسانی شخصیت میں چھپی ہوئی ماورائی' اختیاری اور امکانی قوتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے شخصیت کے اصلی جوہر کی دریافت کی آزادنہ کوشش کی طرف راغب کرتی ہے۔

غیر معتبر وجود کے عمومی نقوش:

بیدل غیر مستند وجود کو"وحشت کدہ ما و منت" (۳۴) کہتے ہیں۔ انسان کی انانیت اور خود پسندی ایک حجاب ہے جو وجود کو وحدت اور یکسوئی سے محروم رکھتا ہے اور انسان وحشت کا گھر بن جاتا ہے جہاں شعور اپنے معمولات سے اکتایا ہوا اور وجود اپنے احوال اور تعینات سے منحرف رہتا ہے۔ غیر معتبر وجود کو بیدل " قدح شکستہ " کہتے ہیں یعنی "ایک ٹوٹا ہوا ساغر جو شعور کے قید خانے میں پڑا ہے"(۳۵) ۔غیر معتبر وجود اپنے سماجی تعلقات کو 'کیف وکم' پر قائم کرتا ہے اور تجزیاتی استدلال کو مطمع نظر رکھتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ انسان اپنی حقیقی خودی کی نشوونما سے غافل رہتا ہے۔ ایسے شخص کو بیدل "مردہ تکلف" (۳۶) کہتے ہیں جو "صنم کی طرح اپنی تنزیہی حقیقت سے بے خبر زمانے کے تغیرات میں گم ہو گیا ہے"(۳۷)اور تعلق کا یہ سارا سلسلہ وہم(۳۸) پر قائم ہے جو نہ شعور کا موضوع بن سکتا ہے اور نہ وجود کے کسی حال میں ڈھل سکتا ہے۔ سماجی اور مادی تعلقات پر قائم اس زمانے کی ساخت اور وضع کو بیدل بیان کرتے ہیں جس میں انسان محض عمومی خودی کا عملی پیکر ہے:

زین عرصہ اضداد مکش ننگ فسردن
گیرم ہمہ تن صلح شدی جنگ برون آ (۳۹)

ترجمہ: اس دورِ اضداد (دنیا) سے ذلت اور اداسی کی الجھنوں سے نکل آ۔ میں سمجھتا ہوں کہ پورے وجود کے ساتھ سراپا خیر ہو جا اور تضادات کی کش مکش سے باہر آ۔

بیدل مندرجہ بالا شعر میں انسان کے وجود فی العالم کی جدلیاتی نوعیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے انسان سماج میں رہتے ہوئے تم اپنے وجود و شعور کو مخالف اور متناقض باتوں' قوتوں اور حالتوں میں مت کھپاؤ کہ تمھیں عداوتوں' کدورتوں اور کینہ پروری کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ ہر حال میں پورے وجود کے ساتھ سراپا خیر ہو جاؤ اور داخلی و خارجی تضادات سے نکل آؤ ورنہ رسوائی ہیں۔"دورِ اضداد " سے مراد انسان کے سماجی تعلقات کی متضاد قوتوں سے تشکیل شدہ غیر معتبر وجود کی دنیا ہے جس سے ہمہ وقت بر سرِ پیکار رہنے سے ہی مستند وجود کا حصول ممکن ہے۔

بیدل انسانی تعلقات کی دنیا کو معمولی اور غیر حقیقی دنیا سمجھتے ہیں اور "خا کد ان" (۴۰)سے تعبیر کرتے ہیں بلکہ اسے" کما ن خا نہ فـر یـب" (۴۱) کہتے ہیں کہ اس دنیا کے فریب بھی محبوب کے ناز وادا کی طرح ہیں کہ اُن کا شکار مت ہو۔ یہ دنیاد امگا ہ (۴۲)ہے غبارِ محمل ہے۔ تمہارے لیے بچھایا گیا ایک جال ہے۔ اس میں جو نظر آتا ہے وہ حقیقت میں نہیں ہے یعنی یہ دنیا یہ جہاں حقیقت تک رسائی نہیں رکھتا ہے۔ یہ جہاں "عرصہ گاہ عبرت جس میں ہمارا سانس خود ہمارے لیے ایک تنبیہ ہے کہ اس مکانِ عبرت سے سحر کی طرح بیدار ہو جا" (۴۳)۔ بیدل کہتے ہیں کہ اس دنیا کا حاصل بے ثباتی اور زوال آمدگی سے پیدا ہونے والا غیر حقیقی پن کا احساس ہے جو وجود کو رنج کا پیکر اور واماندگی (۴۴) کا حال بنا دیتا ہے۔

تا شہرت وماندگیت ہرزہ نباشد
یک آبلہ وار از قدم لنگ برون آ (۴۵)

ترجمہ: تیری آزردگی والی شہرت کہیں تیرے لیے ہرزہ سرائی نہ بن جائے۔ تم نکل آؤ، اگر تمہارے قدموں میں آبلے بھی پڑے ہوئے ہیں تو لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کے ساتھ ہی سہی اس واماندگی اور بے چارگی کی حالت سے نکل آؤ!

مستند وجود کی تشکیل کے لیے لازمی اوصاف وعوامل:

بیدل کے نقطہ نظر کے مطابق انسان کوشش کرے تو مستند وجود کی ماہیت کا ادراک ممکن ہے کیونکہ انسان میں اپنے اصلی وجود کے وجدانی ادراک کی صلاحیت موجود ہے۔ انسانی ہستی کے شعور کی آزادانہ اور بااختیار کوشش مستند وجود کے حصول کی پہلی کوشش ہے جو انسان سے جملہ سماجی شناخت پر قائم دائرہ تکرار سے بلند ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ کلیات بیدل کی دوسری غزل کا مطلع ملاحظہ فرمائیں:

از نام اگر نگذری از ننگ برون آ
ای نکہت گل اندکی از رنگ برون آ (۴۶)

ترجمہ: اگر تو نام سے نہ گزرے تو ننگ وعار سے باہر آ۔ اے پھول کی خوشبو ذرا رنگ کی دنیا سے باہر آ۔

شعر کا مقام باغ ہے۔ مخاطب گل ہے۔ باغ عالم رنگ وبو ہے اور انسان کو گل کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ نام انسان کی جملہ سماجی پہچان اور شناخت کے طویل سلسلے کی طرف اشارہ ہے جو ذات، رنگ، نسل، زبان، عقیدہ، دھرتی اور وطن سے آگے تک پھیلا ہوا ہے جس کی

تگ و دو میں انسان اپنی ساری زندگی صرف کر دیتا ہے۔ اس کوشش میں کامیابی ملے تو سماج میں نام اور عزت ملتی ہے ورنہ ذلت ورسوائی مقدر بنتی ہے۔ پہلے مصرعہ میں شاعر نام و ننگ کی شناخت والے دائرے سے باہر آنے کے لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ انسان کی اصل شناخت نہیں ہے۔ اس شعر کا دوسرا مصرعہ بیدل کے تخلیقی وجدان کا نقطہ کمال ہے۔ اس مصرعہ کی تشریح علامہ اقبال کچھ یوں فرماتے ہیں کہ "رنگ صوفیانہ اصطلاح میں مکان کی علامت ہے۔ صوفیاء خارج کی دنیا کو عالمِ رنگ و بو میں تقسیم کرتے ہیں۔ شاعر انسان (خودی) کی نمائندگی موجۂ خوشبو کے طور پر کرتا ہے جو عالم شعور کی غیر مرئی لطیف حرکت کی جانب اشارہ کرتی ہے اور اسے مشورہ دیتا ہے کہ اگر وہ اپنی ماہیت اصلی کا ادراک چاہتا ہے تو اسے خود کو مکان کی حدود سے آزاد کرنا چاہیے"(۴۷) یعنی انسان کے اصل اور مستند وجود کی تشکیل موجودہ سہ جہتی مکانی حدود سے بلند اور ماوراء ہوئے بغیر ممکن نہیں اور بیدل تلقین کرتے ہیں: یعنی

ای مردۂ تکلف از کیف و کم برون آ
گاہی بر غمِ دانش دیوانہ ہم برون آ (۴۸)

ترجمہ: اے تکلفات کے مارے ہوئے بے حس انسان تجزیاتی استدلال سے نکل آ۔ گاہے بگاہے اپنے اندر فرزانگی والی دیوانگی (جنون) پیدا کر اور کیف و کم کے عقلی تکلفات سے باہر نکل آ اور وجدانی ادراک حاصل کر۔

بیدل اس عالم کی حقیقت واضح کرتے ہیں کہ عالم بالِ پری کی طرح نازک اور حساس حقائق کا ترجمان ہے جس کا نظارہ قلب سے ہو سکتا ہے جو انسان کے پاس بالقوہ موجود ہے۔ بیدل نے عالم کو پری سا حسین کہا ہے جو تعین جمال کا استعارہ ہے اور نازک حقائق کا مرقع ہے کہ جن کا ادراک اگرچہ اسی صورت ممکن ہے کہ تم پتھر (غیر معتبر مادی وجود) سے نشوونما پا کر شیشہ (آئینہ قلب لیے معتبر وجود) بن جاؤ اور قلب کو دنیاوی کدورتوں سے پاک کرو تبھی حساس حقائقِ عالم منکشف ہوں گے۔

عالم ہمہ از بال پری آیینہ دارد
گو شیشہ نمودار شو و سنگ برون آ (۴۹)

ترجمہ: تمام عالم پری کے سے حسن کا آئینہ دار ہے۔ گویا (اے مخاطب) تجھ پہ لازم ہے کہ تو پتھر سے شیشہ بن کر باہر آجاتا کہ تو اس عالم کے پریوں جیسے نازک اندام حسن کو اپنے آئینہ قلب میں دیکھ سکے!

بیدل حضرت انسان سے مخاطب ہیں کہ مستند وجود بننا چاہتے ہو تو شبنم کی طرح خود

کو وقف کرنا سیکھو۔ خون جگر جمع کرو' سوز و گداز پیدا کرو' وقف ہونا سیکھو' صاحبِ فنا بنو اور اپنے اندر وفا پیدا کرو پھر کہیں رنگ کی غیر حقیقی دنیا سے بلند حقیقی خودی کا مقام یعنی گلزارِ وفا پا سکو گے۔ بیدل اس سفر کو طے کرنے کا طریقہ ارشاد فرماتے ہیں:

آب رخ گلزارِ وفا وقف گداز یست
خونی بہ جگر جمع کن و رنگ برون آ (۵۰)

ترجمہ: گلزارِ وفا کے چہرے پر (اشکوں یا شبنم) کے قطرے تو پگھلنے کے لیے خود کو وقف کیے ہوئے ہیں۔ (اے مخاطب) خون جگر جمع کر اور عالمِ رنگ سے باہر آ!

بیدل انسان کو "از خود گذشتن" کی وجودی کیفیت پیدا کرنے کی ہدایت کرتے ہیں یعنی اے انسان خود پسندی (انا) سے گزر جا اور تبھی ممکن ہے جب تم تنگیِ دل سے باہر آؤ۔

از خویش تہی شو ز دل تنگ برون آ (۵۱)

بیدل کہتے ہیں کی "وجود شبستان میں سینکڑوں شمعیں نذر آتش ہوتی اور اپنی زندگی سے گزر جاتی ہیں تب کہیں خلوت خانہ باطن کو نورِ حق میسر آتا ہے یعنی عرفانِ (وجود) فنا کے عمل سے گزر کر ہی نصیب ہو گا تو (اے مخاطب) اٹھ' ہمت کر اور اس کیفیت سان و گماں سے گزر جا" **(۵۲)** کیونکہ جس جوہر وجود پر انسان پیدا ہوا ہے اُسی جوہر وجود کا انسان پر ثابت ہونا وہم ختم کے بغیر ممکن نہیں۔ بیدل تلقین کرتے ہیں:

یک لغزش پا جادۂ توفیق طلب کن
از زحمتِ چندین رہ و فرسنگ برون آ (۵۳)

ترجمہ: اے انسان اپنی غلطیوں سے سنبھل جا اور مستند وجود بننے کے لیے مناسب اسباب کی ہدایت کی توفیق طلب کر۔ اور راستے کی زحمتوں سے کہ رستہ کتنا ہے اور کیسا ہے سے باہر نکل آ۔

ہستی محض غم میں گھیرا رہنا نہیں بلکہ غم سے نکلنا ہے۔ ہستی کا جوہر قلب ہے جسے نفس کے جبلی تقاضوں نے پریشان اور غم زدہ کرر کھا ہے کہ:

بیدل دلت از ہر چہ شود تنگ بیرون آ (۵۴)

ترجمہ: بیدل تیرا دل جس چیز سے بھی تنگ) پریشان (**ہو تو اس سے باہر آ جا۔**

بیدل فرماتے ہیں کہ یاس اور آس کی الجھن سے نکل آ۔ یعنی کبھی لگے کہ حقیقت کو پا لینے کا امکان موجود ہے اور کبھی لگے کہ ایسا ممکن نہیں، کبھی احساس ہو کہ میرا اور اس دنیا کا حقیقی ہونا ذہن کو میسر آ سکتا ہے، قلب کو حاصل ہو سکتا ہے اور آنکھ کو فراہم ہو سکتا ہے لیکن

کبھی محسوس ہو کہ یہ ممکن نہیں بس اس الجھن سے نکل، اس بوجھ کو اپنے وجود کے لیے مصیبت نہ بنا۔

امید و یاس وجود و عدم غبارِ خیال است
از آنچہ نیست مخور غم از آنچہ ہست برون آ (۵۵)

ترجمہ: امید و یاس اور وجود و عدم خیالِ خام ہے۔ جو تو نہیں رکھتا اس کا غم نہ کر اور جو رکھتا ہے اس سے باہر نکل آ!

حیا، ایثار اور کرم کو بیدل مستند وجود کے لیے لازمی وصف قرار دیتے ہیں۔ حیا کے بارے میں فرماتے ہیں کہ خیالاتِ اسباب کا بوجھ صرف حیا اٹھا سکتی ہے۔ اے انسان تو اپنی پلکیں جھکا لے، عاجزی دکھا اور عرفانِ وجود کے لیے قلب سے رجوع کر۔

درین بساطِ خیال (بیدل) ز سعی بی حاصل انفعالی
حیا بس است آبروی ہمت ز عالم خشک تر برون آ (۵۶)

ترجمہ: اس (عالم) خیال (شعور) کی وسعت میں سفر کرتے ہوئے سوائے شرمندگی اور ندامت کے کچھ ہاتھ نہیں آیا' اس عالم خشک تر سے باہر آنے کے لیے بس حیا ہی ہمت کا بھرم ہے۔

دوسری صفت ایثار ہے۔ یہ وہ صفت ہے کہ بندہ اپنی ضرورت پر دوسرے کی ضرورت کو ترجیح دیتا ہے یعنی سماجی تعلق میں اپنی خواہش اور مفاد پر دوسروں کی خواہش اور مفادات کو مقدم رکھتا ہے۔ کرم اخلاقی شخصیت کا وہ خدائی وصف ہے کہ بندہ مانگنے پر عطا کرنے والا بن جائے اور بن مانگے بھی عطا کرے۔ بیدل مستند وجود کو ایثار رنگی پھول اور کرم کی روشنی پھیلاتے سورج سے تشبیہ دے رہے ہیں۔

تا از گلت جز ایثار رنگی دگر نخندد
سر تا قدم چوں خورشید دست کرم برون آ (۵۷)

ترجمہ: جب تک تیرا پھول (وجود) رنگ ایثار لیے نہ کھلے (مسکرائے)۔ سر تا پا سورج کی طرح دست کرم بن کر باہر آ!

بیدل انسان کو مرد اختیار کہتے ہیں اور اسے قید ہستی (جو اپنی حقیقت میں عدم ہے) سے اچھل کر باہر آنے کے عمل کی ترغیب دیتے ہیں:

گر مرد اختیاری رو از عدم برون آ (۵۸)

قید ہستی خواہشات کی دنیا ہے۔ انسان نے اس دنیا کو محض اپنی جبلی و نفسانی خواہشات کی تسکین کا مرکز بنا لیا ہے۔ شاعر اس دنیائے خواہشات سے نکل جانے کا تقاضا

کرتے ہیں کہ اے انسان! اس ہوس کدہ سے باہر آجا' شوق اور تمنا کیساتھ لڑتے ہوئے ہوس کی دنیا سے باہر آجا:

ازین ہوس کدہ با آرزو بجنگ برون آ
چو بوی گل نفسی پای زن برنگ برون آ (۵۹)

ترجمہ: اے انسان! اس ہوس کدہ سے شوق سے لڑتے ہوئے باہر آ۔ ایک لحظہ کے لیے صحیح پھول کی خوشبو کی طرح چل اور رنگ سے باہر آ!

بیدل آزادی کو مستند وجود کی بازیافت کے لیے سب سے لازمی وصف کے طور پر دیکھتے ہیں۔ بیدل مخاطب کے لیے ایک آزاد شخصیت کو نفسی خواہشوں کی فکر سے باہر نکل آنے سے مشروط کرتے ہیں:

بکیش آزادگی نشاید کہ فکرِ لذات عقدہ زاید
رہ نفس پیچ و خم ندارد چونی ز بند شکر برون آ (۶۰)

ترجمہ: دنیاوی لذتوں کی فکر فرد کو اس کے آزاد اور حقیقی وجود سے دور رکھتی ہیں' آزاد ہونے کی کیفیت بالکل سانس لینے کی طرح ہے جس کے رستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، آزادگی کو طرزِ حیات ماننے والا ایسے ہی ہوتا ہے۔(اے مخاطب) تو بھی جیسے "نـــی" یعنی نڑ جیسے شکر سے لاتعلق اور بے نیاز ہے تو بھی اپنی مادی لذتوں سے بے فکر ہو کر نکل آ۔

بقول ہائیڈیگر " اگرچہ انسان اس دنیا میں ہے، اس دنیا سے ہے لیکن تقدیری معنوں میں انسان اس دنیا کا نہیں ہے بلکہ اس دنیا سے زیادہ اور بلند ہے۔ با اعتبارِ مقدر انسان اس دنیا سے پرے بھی ہے۔ تو انسان کو دنیا میں اپنی موجودہ ہستی سے ماوراء ہونے کی ضرورت ہے تاکہ اپنی حقیقی زندگی کو پاسکے "(۶۱)۔ بیدل جو ہائیڈیگر کے پیش رَو ہیں انسانی ہستی کی عارفانہ اور فلسفیانہ تقدیر کو انہی معنوں میں بیان کرتے ہوئے مستند وجود کی تشکیل (Authenticity of Being) کو انسان کی بنیادی ذمہ داری قرار دیتے ہیں جو بندگی اور عشق کے بغیر ممکن نہیں اور بندگی یعنی بارگاہِ نیاز میں انسان کا اپنے اختیار، مرضی اور ارادے سے دست بردار ہو جانا، عجز کے بغیر ممکن نہیں کہ اے انسان تیری غفلت و آگاہی سے سروکار نہیں تو بس عاجز رہ کیونکہ بارگاہِ نیاز میں عاجزی ہی سربلندی رکھتی ہے۔

بہ بارگاہ نیاز دارد فروتنی ناز سر بلندی (۶۲)

بیدل انسان کو مخاطب کرتے ہیں کہ تم اپنے جوہر میں شخص آزاد ہو، جنون (عشق) پیدا کرو یعنی عاجزی رکھنے والا عاشق بنو اور اپنے حقیقی وجود کو پالو:

چہ کدخداییست ای ستم کش جنون کن از دردِ سر برون آ
تو شوق آزاد بی غباری ز کلفت بام و در برون آ (۶۳)

ترجمہ: اے انسان یہ کیسی بزرگی ہے، یہ تم نے خود پر کیا ظلم کیا ہے کہ تم دنیا داری کی زحمتوں اور رنج میں گھر گئے ہو، خود رحمی سے باہر آؤ۔ اس حقیقی وجود کو عشق و جنوں سے حاصل کرو اور بام و در کے اضطراب سے نکل آؤ۔

اس کے لیے بیدل خالص عارفانہ منہج وضع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کسی صاحبِ حال کے زیرِ سرپرستی اور ہدایت میں آ جاؤ تاکہ تم اپنی زندگی اور وجود کی حقیقی معنویت کا حضور حاصل کر سکو۔

سبک روان ز کمان خانۂ سپہر گذشتند
تو نیز وام کن اکنون پر و خدنگ بیرون آ (۶۴)

ترجمہ: بوجھ سے آزاد مستعد لوگ آسمان کی وسعتوں سے گزر گئے۔ تو بھی (اے مخاطب) ابھی اڑنے کے لیے پَر ادھار لے اور خدنگ پکڑ اور یہاں سے باہر آ۔

بلند آسمان کی وسعتوں سے تیر کی رفتار سے گزرنے والے وہ صاحبِ حال اور صاحبِ وجدان لوگ ہیں جنہوں نے اپنے قلب کو ربانی حضور کے نور سے معطر کیا ہے اور اس زمان و مکان کی وجودی ساخت سے بلند ہوئے اور حقیقی مرکزِ خودی کو پا لیا۔ تو بھی (اے انسان) کسی ایسے ہی صاحبِ حال کا ہاتھ تھام لے اور اپنے وجود کے حقیقی مرکز کو پا لینے کے لیے کماں خانۂ زمان و مکاں سے نکل جا۔

اگر محیطِ گہر برآیی قبولِ بزم وفا نشایی
دلی بذوق حضور خون کن سر شکی از چشم تر برون آ (۶۵)

لیکن بیدل فرماتے ہیں کہ اس کے لیے خلوص ہی آخری اور حتمی شرط ہے کہ جس کے بغیر ہر کوشش عشق لاحاصل ہے اور ہر تدبیر رائیگاں ہے۔ خلوص کی قبولیت کا واحد معیار یہ کہ (اے انسان) تیرا قلب وجودِ حق کے حضور کا کتنا ذوق رکھتا ہے کیونکہ قلب میں حق تعالیٰ کی دید کا شوق ہی بندگی کا اصل معیار ہے۔ یہ ایسے ممکن ہے کہ (اے انسان) تو ہر گماں، ہر شک کو اپنے دل سے نکال دے۔ اس کی گواہ خلوص کے آنسوؤں سے بھریں تیری آنکھیں ہیں، ورنہ تم سمندر سے موتی بھی نکال کر لے آؤ تو بھی بارگاہِ وفا میں اس کی کوئی قدر نہیں۔

حوالہ جات

۱۔ مرزا بیدل، عبد القادر، کلیات بیدل، جلد اول، افغانستان سینٹر، کابل یونیورسٹی، 1922۔

https://archive.org/details/KulliyatEAbulMaaniMirzaAbdulQadirBedilJildEAwwalFarsi/page/n9/mode/2up

2. Authenticity (Philosophy), New world Encyclopedia, 6 December 2016.

http://www.newworldencyclopedia.org/p/index.php?title=Authenticity_(philosophy)&oldid=1001864

3. ibid.

۴۔ عجز، بندگی، حیا، راست بازی، استقامت، صلح پسندی، ایثار، کرم نوازی، ثابت قدمی، وفا اور ہمت وغیرہ۔

۵۔ محمد سہیل، عمر، "خطباتِ اقبال نئے تناظر میں"، اقبال اکیڈمی پاکستان، ایوان اقبال لاہور، 200، ص 103 اور 101۔

6. Ahmad Javed,'Khudshanasi' How do you know yourself, part 2 of 3, Qasim Ali Shah Foundation, Lahore, Sep 20,2018.

https://www.youtube.com/watch?v=yB_voBMdiwo

7. ibid.

8. ibid.

۹۔ وجدان ذریعہ علم ہے جو انفسی و آفاقی حقائق کو ایک کلیت اور جامعیت کے ساتھ لائق حضور، قابلِ تجربہ اور واجب الیقین بناتا ہے۔ یہ انسانی شعور کی وہ بنیادی قوت ہے جو غیب کو حضور عطا کرتی ہے اور ماورائے زمان و مکاں حقائق کے تناظر کو محض عقلی اور تجریدی نہیں رہنے دیتی بلکہ ان کا فوری حسی تجربہ عطا کرتی ہے۔ اسلام کی صوفیانہ روایت میں اسے کشف کہتے ہیں۔ کشف "ذہن کی فوق تجربی یا ماورائے شعور قوتوں (transcendental function of mind) کا فعال ہو جانا ہے"

Toshihiko Izutsu, Chapter III "An Analysis of Wahdat al-Wujud: Toward a Metaphilosophy of Oriental Philosophies", The Concept and Reality of Existence, Islamic Book Trust, Petaling Jaya, Malaysia, 2007, Page 67

۱۰۔ احمد جاوید، شرح بال جبریل: ایک سلسلہ گفتگو، شرح وبیان: غزل نمبر1، اقبالیات، شمارہ نمبر3، جولائی۔ ستمبر2011، تدوین: محمد سہیل عمر، اقبال اکیڈمی، پاکستان، لاہور، ص65۔

11. Ahmad Javed, 'Khudshanasi' How do You Know Yourself, part 2 of 3, Qasim Ali Shah Foundation, Lahore. Sep 20 2018 https://www.youtube.com/watch?v=yB_voBMdiwo

۱۲۔ "حقیقت کی انفسی (باطنی) اور آفاقی (خارجی) جہتوں کا مجسمہ انسان جو کلی خدا شعوری کی قابلیت رکھتا ہے"

13. Peter Coates, "Ibn' Arabi and Modern Thought: The history of taking metaphysics seriously", Anqa Publishing, Oxford, 2002, pages 3-4

14. ibid. pages 123-127

15. Ghulam Raza Aavani, "Rumi: A Philosophical Study, ABC International Group, Inc. Chicago. 2016. p. 92

16. ibid. p. 93

17. ibid. p. 94

۱۸۔ یوسف سلیم، چشتی، اسرارِ خودی مع شرح، 1981، ص73-74۔

۱۹۔ احمد جاوید، "خودی"، اقبال کی فلسفیانہ فکر' لیکچر نمبر9 پارٹII https://rvwab.com/videos/watch/mmZODv2pb80

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ ایضاً

22. "One acting on one's own authority", see etymology of 'authentic'

https://www.etymonline.com/word/authentic

23. Diwan Taskheer Khan, "The concept of Authentic Existence in Existentialism", Aligarh Muslim University, India. 2007 pages 2-5

24. Plato, "An unexamined life is not worth living.", Apology, Section 38a

25. Howard V. & Edna H. Hong, "Subjective/Objectivity", Soren Kierkegaard's Journal and Paper, Indiana University Press, 1975.

26. See Authenticity. Feb 20, 2020 https://plato.stanford.edu/entries/authenticity/#KieHei

27. Friedrich Nietzsche - How to be Authentic (Existentialism), Philosophies for Life, June 9 2021. https://www.youtube.com/watch?v=ti23bsHBnAE

28. ibid.

29. Vensus A. George, "Authentic Human Destiny: The Paths of Shankara and Heidegger", The Council for Research in Values and Philosophy, Washington, D.C. 1998. p.379

30. ibid.

31. ibid.

۳۲۔ احمد جاوید، "بیدل نشست "، سیشن نمبر2، 29اگست 2017 https://www.youtube.com/watch?v=7CroscQ0F8w&t=13s

۳۳۔ ایضا

۳۴۔ مرزا بیدل، عبدالقادر، کلیات بیدل، جلد اول، کابل یونیورسٹی، افغانستان سینٹر، 1922، ص1۔

۳۵۔ ایضا، ص2۔

۳۶۔ ایضا

۳۷۔ ایضا

۳۸۔ ایضا، ص1۔

۳۹۔ ایضا

۴۰۔ ایضا، ص2۔

۴۱۔ ایضا، ص3۔

۴۲۔ ایضا، ص2۔

۴۳۔ ایضا، ص3۔

۴۴۔ واماندگی: یہ اسم ٹھہرے رہنے یا پیچھے رہ جانے کی کیفیت جمود کا اظہار کرتا ہے مجازاً عاجزی' لاچاری کے معنی ہیں۔

۴۵۔ مرزا بیدل، عبدالقادر، کلیاتِ بیدل، جلد اول، افغانستان سینٹر، کابل یونیورسٹی، 1922، ص1۔

۴۶۔ ایضا

۴۷۔ علامہ اقبال، "مطالعہ بیدل: فکر برگساں کی روشنی میں"، ترتیب وترجمہ ڈاکٹر تحسین فراقی، اقبال اکیڈمی، لاہور، 1988، ص32-33۔

۴۸۔ مرزا بیدل، عبدالقادر، کلیات بیدل، جلد اول، کابل یونیورسٹی، افغانستان سینٹر، 1922، ص1۔

۴۹۔ ایضا

۵۰۔ ایضا

۵۱۔ ایضا

۵۲۔ ایضا

۵۳۔ ایضا

۵۴۔ ایضا

۵۵۔ ایضا، ص2۔

۵۶۔ ایضا، ص3۔

۵۷۔ ایضا، ص2۔

۵۸۔ ایضا

۵۹۔ ایضا

۶۰۔ ایضاً، ص3۔

61. Vensus A. George, "Authentic Human Destiny: The Paths of Shankara and Heidegger", The Council for Research in Values and Philosophy, Washington, D.C. 1998. p.379.

۶۲۔ مرزا بیدل، عبدالقادر، کلیات بیدل، جلد اول، کابل یونیورسٹی، افغانستان سینٹر، 1922، ص3۔

۶۳۔ ایضاً

۶۴۔ ایضاً، ص2۔

۶۵۔ ایضاً، صفحہ 3۔

***